© rasailojaraid.com

قرآن کی احکامی اور غیر احکامی آیات

مولانا محمد رفیق چودھری

ہمارے ہاں قرآن حکیم کی آیات سے متعلق ایک تقسیم ـــــــــ احکامی اور غیر احکامی آیات کی صورت میں کی جاتی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس آیت قرآنی سے کوئی حکم شرعی مستنبط ہوتا ہے وہ "احکامی آیت" ہے اور جس آیت سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہوتا وہ "غیر احکامی آیت" کے زمرے میں داخل ہے۔

پھر اسی بنیاد پر ہمارے دینی ادب میں 'احکام القرآن' کے عنوان سے قرآن مجید کی صرف انہی مخصوص احکامی آیات کی تفاسیر بھی ملتی ہیں جیسے ابوبکر جصاصؒ کی "احکام القرآن"، ابن العربیؒ کی "احکام القرآن"، ملا احمد جیونؒ کی "التفسیرات الاحمدیہ" اور محمد علی صابونی کی "روائع البیان فی تفسیر آیات الاحکام" وغیرہا۔

قرآنی آیات کی اس فقہی تقسیم کا اگرچہ ایک یہ فائدہ تو ہے کہ اس سے علم فقہ کی تعلیم و تدریس میں یک گونہ سہولت پیدا ہو جاتی ہے، اور انہی احکامی آیات کا فہم "تفقّہ فی الدین" کہلاتا ہے مگر اس اندازِ فکر کے نتیجے میں بعض ایسی قباحتیں پیدا ہوئی ہیں جن سے ملت اسلامیہ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔

اسی طرزِ فکر نے لوگوں میں یہ عمومی تصور پیدا کر دیا کہ قرآن حکیم محض فقہ و قانون کی ایک کتاب ہے اور اس میں بعض مخصوص "احکامی آیات" موجود ہیں جن کے ذریعے قانونِ خداوندی سمجھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جا سکتا ہے اور ان "احکامی آیات" کے علاوہ باقی غیر احکامی آیات ہیں جن کا تعلق احکام دین سے ہرگز نہیں ہے اس لیے ان سے مسائل و احکام شرعیہ کا استخراج و استنباط نہیں کیا جا سکتا۔ پھر جب ان احکامی آیات کے تمام تر تفصیلی احکام و مسائل علم فقہ کی کتابوں میں مدون ہو گئے تو اب "احکام سے خالی" قرآن حکیم کا مصرف محض حصولِ ثواب و برکت رہ گیا۔ اس طرح مسلمانوں کی عملی زندگی میں قرآن مجید کا صرف وہی حصہ ماخذ قانون بن سکا جس حصے میں اس کی 'احکامی آیات' وارد ہوتی ہیں اور اس کے باقی ماندہ حصے کی حیثیت بطور ماخذ قانون باقی نہ رہی۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ مفتیانِ شرع متین کے لیے ہماری عملی زندگی سے متعلق احکامِ شرعیہ اور مسائل فقہیہ معلوم کرنے کے لیے ائمہ فقہ اور ان کے شاگردوں وغیرہا کے فتاویٰ پر مشتمل کتابیں موجود ہیں اور عند الضرورت صرف انہی کتب فقہ کی طرف مراجعت فرمائی جاتی ہے رہا اللہ کا نازل کردہ قرآن مجید تو آج وہ صرف 'حصولِ برکت و ثواب' کی خاطر ختم شریف کرنے کے لیے ہے اور حدیثِ رسول ﷺ کا مصرف تو محض "دورہ کرنا" رہ گیا ہے۔

دین کے اصل ماخذ قانون و ہدایت یعنی کتاب و سنت سے ہمارا یہ رویہ کس قدر افسوسناک ہے۔

پھر اسی نقطۂ نظر کا یہ اثرِ بد ہے کہ دنیائے فقہ کی نظر سے قرآن حکیم کی تعلیمی اور دعوتی وحدت و جامعیت بالکل اوجھل ہو گئی۔ اہلِ نظر جانتے ہیں کہ قرآن مجید میں اگرچہ قانون بھی بیان ہوا ہے مگر وہ بنیادی طور پر کوئی قانونی کتاب نہیں ہے اور نہ ہی اس کا اسلوب بیان قانونی یا فقہیانہ طرز کا ہے۔ وہ در اصل کتابِ ہدایت ہے اور انسان کی پوری زندگی کے لیے رہنما ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن حکیم کی جن آیات میں فقہی اور قانونی احکام وارد ہوتے ہیں ٹھیک انہی آیات میں غیر فقہی مضامین و موضوعات ـــــ مثلاً صفاتِ باری تعالیٰ، دلائل انفس و آفاق معاد اور قصصِ ماضیہ وغیرہا ـــــ بھی ساتھ ساتھ آئے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ یہ امر منجملہ اعجاز قرآن کا مقام رکھتا ہے مگر اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ ہم قرآن حکیم کی دعوتی وحدت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو یک رخی اور یک چشمی سے دیکھنے لگ جائیں؟۔

قرآن حکیم کا اسلوب تو یہ ہے کہ جب وہ کسی حکم یا قانون کو بیان کرتا ہے تو اس کی علت و حکمت بھی سمجھاتا ہے، اس کی مشروعیت کے دلائل بھی دیتا ہے، اس پر عمل کی خاطر قلوب و اذہان سے اپیل بھی کرتا ہے وہ انسان کی طبعی کمزوریوں اور اس کے گہرے احساسات و میلانات کو بھی پیش نظر رکھتا ہے، وہ اپنے حکم کے انفرادی اور اجتماعی مصالح بھی واضح کرتا ہے۔ اس کے قدرتی نتائج و عواقب کی طرف اشارہ بھی کر دیتا ہے اور انسان کو آمادۂ کار کرنے کے لیے ترغیب و ترہیب کے تمام وسائل سے بھی کام لیتا ہے ـــــ اور یہ سب کچھ وہ نہایت دلنشیں اور مؤثر انداز میں واضح کرتا ہے۔

کیا کسی حکمِ شرعی کے بارے میں مذکورہ بالا تمام امور ہمیں "قدوری" یا "فتاویٰ عالمگیری" میں بھی مل سکتے ہیں؟ ؎

وہ رمزِ شوق کہ پوشیدہ لا الٰہ میں ہے

طریقِ شیخ فقیہانہ ہو تو کیا کہیے

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدینؒ کے اجتہادات قرآن کے متذکرہ صدر امور پہ غور کرنے کا نتیجہ ہیں مگر سوال یہ ہے کہ دورِ مابعد کے لوگوں نے بھی کیا یہی طرزِ عمل اختیار کیا؟ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔ کیا آج کسی دارالافتاء کے مفتی صاحب کی اہلیت کے بارے میں یہ بات کافی نہیں سمجھی جاتی کہ وہ اپنے مذہب و مسلک کی چند فقہی کتابوں سے مسائل پڑھ کر ان کو نقل کر دینے کی قابلیت رکھتا ہے؟[1]

---

[1] اس سلسلہ میں میرا ایک ذاتی تجربہ بھی ہے کچھ عرصہ قبل میں لاہور کے ایک مشہور حنفی دارالافتاء میں کچھ جدید مسائل لیکر حاضر ہوا تھا۔ اپنے استفتاء کا جواب حاصل کرنے کیلیے مجھے ایک ماہ تک انتظار کرنا پڑا۔ آخر صاحبِ دارالافتاء نے فرمایا "میں آپکے سوالات کیلئے فقہ کی کئی کتابیں دیکھ چکا ہوں مگر آپکے مسائل ہماری کتابوں میں نہیں ملتے! اسلئے ہم آپکے استفتاء کا جواب دینے سے قاصر ہیں" افسوس کہ ع اے طبل بلند بانگ تھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جہاں تک علومِ قرآنیہ کا تعلق ہے تو درحقیقت یہ ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے یہ وہ کلامِ الٰہی ہے جس کا کامل ادراک انسان کی دسترس سے باہر ہے۔ قرآنی علوم کی مشہور اور مستند کتاب "البرہان فی علوم القرآن" کے مصنف امام بدرالدین زرکشیؒ مقدمہ کتاب میں لکھتے ہیں:

"علوم القرآن لا تنحصر ومعانیہ لا تستقصی۔"

ترجمہ: قرآنی علوم کی کوئی حد نہیں ہے اور اس کے معانی و مطالب کا استقصاء ممکن نہیں ہے۔

جب معاملہ یہ ہے تو پھر آج یہ دعویٰ کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید میں صرف فلاں فلاں آیات کا تعلق تو احکام سے ہے اور باقی آیات احکام کے زمرے سے خارج ہیں اور ان میں مسائل و احکام تلاش کرنا ایک کارِ بے کار ہے۔

قرآن حکیم کے بارے میں ایسا رویہ اختیار کرنا "تفقہ فی الدین" کے عروج کی نہیں، زوال کی علامت ہے اور خیر القرون کا زمانہ، کم ہمتی کے اس رویے سے بالکل پاک تھا۔ یہ رویہ تو امتِ مسلمہ کے دورِ انحطاط کی پیداوار ہے جب لوگوں کی ہمتیں اور صلاحیتیں اس قدر پست اور مقلدانہ ہو گئیں کہ کسی پیش آمدہ مسئلے کو براہِ راست قرآن و سنت سے سمجھنے کی بجائے ائمہ فقہ کے اقوال، فتاویٰ اور تفریع در تفریع سے حل کرنے کا رجحان پیدا ہوا اور پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ کسی ایک فقہی دائرے سے باہر آنکھ اٹھا کر دیکھنا شجرِ ممنوع قرار پایا۔

اہل علم سے یہ امر بھی مخفی نہیں ہے کہ اس صورت حال نے نہ صرف امت کے اندر قحط الرجال پیدا کیا بلکہ امت مسلمہ کی فکری و علمی وحدت بھی اس کے نتیجے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پارہ پارہ ہو گئی۔

ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اسلام فقط تیسری صدی ہجری تک کے لیے آیا تھا اور کتاب و سنت ماخذ قانون صرف اسی عہدِ مسعود تک کے لیے تھے؟ کیا دین کا مقصود صرف اسی دور کے عملی تقاضوں کو پورا کرنا تھا؟

اسی دورِ سعید کے اصحابِ علم کی خصوصیت تو یہ تھی کہ وہ زندگی کے ہر نئے تقاضے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسئلے کو پہلے قرآن اور پھر سنت کی روشنی میں حل فرماتے تھے ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ :

لو ضاع لی عِقالُ بعیر لوجدته فی کتاب الله ۔

ترجمہ : اگر میرے اونٹ کے باندھنے کی رسی بھی گم ہو جائے تو وہ بھی مجھے قرآن میں مل جائے گی ۔

اسی دورِ مبارک میں فقہ و اجتہاد سے متعلق ایک دوسرے کے بارے میں هُمْ رجالٌ و نحنُ رجالٌ [1] کا غلغلہ بلند تھا ۔ اے کاش ! تفقہ فی الدین سے متعلق یہ دورِ سعید ہمارے زمانے تک بھی مستند ہوتا اور وحیِ الٰہی کے بجائے صرف اقوالِ رجال ہی ہمارا مرجع و ماویٰ نہ بنتے !

ازاں جملہ قرآن مجید کی احکامی اور غیر احکامی آیات کا زیرِ بحث مسئلہ ہے جسے امت کے عہدِ زوال نے جنم دیا ہے اور آج جب کہ امتِ مسلمہ کے مختلف گوشوں سے اجتہاد اور اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی آوازیں اٹھ رہی ہیں ، ضروری ہے کہ ایسی تقسیم کے منفی اثرات کو مٹا کر پورے قرآن مجید سے استنباطِ احکام اور استخراجِ مسائل کر کے اس کے کلیتہً ماخذِ قانون و ہدایت ہونے کا اعلان کریں تاکہ دوبارہ یہ کہ مسائل کا حل دین کے اصل منابع اور سرچشموں میں تلاش کرنے کا رجحان عام ہو اسی طرزِ فکر سے امت میں رجالِ فکر پیدا ہو سکتے ہیں اور اسی سے اس امتِ متفرقہ کو امتِ واحدہ میں تبدیل کیا جا سکتا ہے ۔

ہم ذیل میں چند ایسی مثالیں پیش کر رہے ہیں جن سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت ہمیں بظاہر "غیر احکامی" نظر آتی ہے اور بالعموم اسے غیر احکامی سمجھا گیا ہے مگر اس آیت سے بھی بالکل اسی طرح سے احکامِ شرعیہ متفرع ہوتے ہیں جیسا کہ کسی "احکامی" آیت سے مستنبط ہوتے ہیں اور جب معاملہ یہ ہے تو پھر احکامی اور غیر احکامی آیات کی تقسیم کا تصور بے بنیاد کیوں

---

[1] جیسے وہ مرد ہیں ایسے ہی ہم مرد ہیں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں ہے؟ :-

۱- قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ ۖ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ
الْأَمِينُ ۝ قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَىٰ
أَن تَأْجُرَنِي ثَمَانِيَ حِجَجٍ ۖ فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِندِكَ ۖ
وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ ۚ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ
الصَّالِحِينَ ۝ قَالَ ذَٰلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ ۖ أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا
عُدْوَانَ عَلَيَّ ۖ وَاللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ۝[1]

ترجمہ: ان دونوں میں سے ایک لڑکی نے کہا اے ابا جان! ان کو نوکر رکھ لیجیے کیونکہ آپ جس کو نوکر رکھیں سب میں بہتر وہی ہے جو مضبوط اور ایماندار ہو (اور ان میں دونوں باتیں موجود ہیں)۔ اس پر شعیب بولے: میں چاہتا ہوں کہ اپنی دونوں لڑکیوں میں سے ایک کے ساتھ تمہارا اس (مہر) پر نکاح کر دوں کہ تم آٹھ برس تک میری نوکری کرو اور اگر تم دس برس پورے کر دو تو تمہارا احسان۔ میں تم پر زیادہ مشقت ڈالنا نہیں چاہتا۔ ان شاء اللہ مجھے تم ایک نیکو کار آدمی پاؤ گے۔ موسیٰؑ نے کہا "یہ میرے اور آپ کے درمیان (معاہدہ) ہے۔ دونوں مدتوں میں سے میں جو بھی پوری کروں (مجھے اختیار رہے) مجھ پر جبر و زیادتی (کرنے کا آپ کو حق) نہیں اور ہم آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر اللہ گواہ ہے۔

ان آیات کے متذکرہ صدر مضمون کے مطابق حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی ایک صاحبزادی کی تجویز کو قبول فرما کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اُجرت کا معاملہ طے فرمایا اور

---

[1] القصص ۲۶ تا ۲۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان دو پتے ہاں لطور اجیر رکھ لیا۔

بظاہر یہ آیات قصص سابقہ سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کا احکام شرعیہ سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ اسی لیے ان آیات کو احکام کی آیات میں شمار نہیں کیا گیا، لیکن غور کرنے پر ان سے درج ذیل مسائل شرعیہ مستنبط ہوتے ہیں۔

ا۔ اسلام میں مزدور یا کوئی ملازم بھرتی کرتے وقت دو امور کو بالخصوص پیش نظر رکھا جانا چاہیے۔ ایک یہ کہ وہ مزدور یا ملازم "قوی" ہو۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جسمانی اور ذہنی طور پر اس کام کو سرانجام دے سکتا ہو جس کے لیے اسے بھرتی کیا جا رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ مزدور یا ملازم "امین" ہونا چاہیے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے تصرف میں جو مال و جائداد ہو یا اسرار ملکی (STATE SECRETS) ہوں تو وہ شخص ان میں خیانت کرنے والا نہ ہو۔ اسلامی نظام میں پبلک سروس کمیشن وغیرہ جیسے اداروں کے لیے ضروری ہے کہ وہ مذکورہ بالا معیار کو اپنے ہاں بھرتی کا اصل معیار قرار دیں اور اس کی عدم موجودگی نااہلی متصور ہو۔ قوی اور امین کا یہ معیار اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ کے الفاظ قرآنی سے ثابت ہوتا ہے۔

ب۔ ہر آجر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ملازم سے اس کی طاقت و ہمت سے بڑھ کر کام نہ لے۔ گویا ایک ملازم جس قدر کام کر سکتا ہے اس سے زیادہ بوجھ یا ذمہ داری اس پر نہ ڈالی جائے۔ یہ حکم شرعی قرآن کے الفاظ "وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ" سے واضح ہے۔

ج۔ ہر مزدور (یا ملازم) اور آجر کے درمیان ایک معاہدے کا ہونا ضروری ہے جو دونوں فریقوں کی آزاد مرضی سے طے پائے۔ ایسا معاہدہ تحریری اور زبانی دونوں صورتوں میں ہو سکتا ہے اور اس میں اس امر کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ ایک مزدور یا غلام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو کتنا کام کرنا ہے اور اس کام کی اُجرت کیا ہو گی؟ اور اس سلسلے میں دیگر شرائط ملازمت بھی باہمی رضامندی سے رکھی جا سکتی ہیں جن کی پابندی فریقین --- آجر و اجیر کو کرنی ہو گی۔ آج کل ایک ملازم کے پروانہ تقرری (Appointment Letter کے ساتھ ہی ایسی تمام شرائط ملازمت کا اندراج ہونا چاہیے۔ باہمی معاہدے کا یہ حکم شرعی ذٰلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَالِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ ۖ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ۝ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَاذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۝[1]

ترجمہ: اور سلیمانؑ نے پرندوں کی حاضری لی تو کہنے لگے کہ کیا بات ہے کہ ہُدہُد نظر نہیں آ رہا یا وہ کہیں غائب ہے۔ اگر ایسا ہے تو میں اسے سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح کر ڈالوں گا یا وہ اپنی صفائی میں کوئی واضح دلیل میرے پاس پیش کرے۔

یہ آیات بھی منجملہ ان آیات سے ہیں جن کو 'غیر احکامی' کہا جاتا ہے لیکن اس سے ایک حکم شرعی یہ نکلتا ہے کہ اسلامی مملکت کی انتظامیہ اپنے ماتحت ملازم لوگوں پر فردِ جرم (Charge-Sheet) عائد کر کے ان کو اظہارِ وجوہ کا نوٹس (Show-Cause Notice) دے سکتی ہے بشرطیکہ ایسے ملازمین غیر حاضری، کام چوری، خیانت، نافرمانی یا بے ضابطگی کا ارتکاب کریں۔ اس کے علاوہ دوسرا حکم شرعی یہ متفرع ہوتا ہے کہ اگر ایسے ملازمین اپنی صفائی میں کوئی معقول عذر پیش کر دیں تو ان سے کوئی مواخذہ نہیں ہو

---

[1] النمل: ۲۱،۲۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوگا بصورت دیگران کے خلاف باضابطہ قانونی کاروائی کر کے ان کو مناسب سزا دی جاسکتی ہے۔

۳۔ قرآن مجید میں ہے کہ:

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّن طِينٍ ۝ فَإِذَا
سَوَّيْتُهُۥ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا۟ لَهُۥ سَٰجِدِينَ ۝
فَسَجَدَ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ۝ إِلَّآ إِبْلِيسَ ٱسْتَكْبَرَ وَ
كَانَ مِنَ ٱلْكَٰفِرِينَ ۝ قَالَ يَٰٓإِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَن تَسْجُدَ لِمَا
خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ۖ أَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنتَ مِنَ ٱلْعَالِينَ ۝ قَالَ أَنَا
خَيْرٌ مِّنْهُ ۖ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُۥ مِن طِينٍ ۝ قَالَ فَٱخْرُجْ
مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۝ وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيٓ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلدِّينِ ۝ [1]

ترجمہ: یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں گیلی مٹی سے ایک آدمی بنانے والا ہوں تو جب میں اس کو دُرست بنا کر اس میں اپنی پیدا کی ہوئی روح پھونک دوں تو تم سب کے سب اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا۔ پھر تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔ اس نے تکبّر کیا اور وہ کافروں میں ہو گیا۔ اللہ نے فرمایا "اے ابلیس! جس چیز کو میں نے اپنی خاص قدرت سے پیدا کیا اس کو سجدہ کرنے سے تجھے کس نے روکا۔ کیا تو شیخی میں آگیا ہے یا تو واقعی بلند مرتبہ ہے"۔ ابلیس بولا "میں اس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو تو نے گیلی مٹی سے پیدا کیا ہے"۔ اللہ نے پھر حکم دیا کہ تو یہاں سے نکل جا۔ تو یقیناً مردود ہے اور تجھ پر قیامت تک میری پھٹکار پڑے گی۔

---

[1] صٓ: ۷۱ تا ۷۸ ۔

© rasailojaraid.com

ان آیات سے ظاہر ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے انکار سجدہ کی وجہ دریافت فرمائی ہے گویا ابلیس کو اس کی نافرمانی پر اظہار وجوہ کا نوٹس (**Show-Cause Notice**) دیا گیا ہے اور اس طرح ملزم ابلیس کو صفائی کا پورا پورا موقع دیا گیا تھا کہ وہ اپنے عدمِ سجود کے جواز میں جو کچھ کہنا چاہتا ہے، وہ کہہ دے۔ پھر ابلیس نے انکارِ سجود کا جواز پیش کیا وہ چونکہ ایک غلط جواز تھا اس لیے اسے یہ سزا سنا دی گئی کہ وہ قیامت تک کے لیے راندۂ درگاہِ خداوندی اور مردود ہے۔

یہ آیات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کسی ملزم کو صفائی کا موقع دیئے بغیر نہ تو مجرم قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے کسی قسم کی کوئی سزا دی جا سکتی ہے۔ پھر اگر کوئی ملزم اپنے حق میں کوئی معقول عذر پیش نہ کر سکے، تو اسے قانون کے مطابق سزا دی جائے گی۔ بصورت دیگر اگر کوئی ملزم اپنے حق میں معقول عذر پیش کر کے بے گناہ ثابت ہوتا ہے تو اسے کسی قسم کی سزا نہیں دی جا سکتی۔

غور فرمائیے۔ قرآن کی انہی غیر احکامی آیات میں اسلام کے نظامِ عدالت کا کتنا اہم حکم موجود ہے اور اس معاملے کا تعلق محض اخلاق و تاریخ سے نہیں ہے بلکہ یہ ہماری عملی زندگی کا ایک نہایت ضروری مسئلہ ہے جس کی طرف قرآن حکیم نے رہنمائی فرمائی ہے۔

۴۔ قرآن حکیم میں ہے کہ:

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ [1]

ترجمہ سلیمان نے کہا ہم ابھی دیکھتے ہیں کہ تو نے سچ کہا یا تو جھوٹا ہے۔

اس آیت کا سیاقِ کلام یہ ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے ہدہد نے ملک سبا

---

[1] النمل: ۲۷۔

© rasailojaraid.com

ے بارے میں اطلاع بہم پہنچائی تو اس پر آپ نے فرمایا کہ ہم دیکھیں گے کہ تمہاری اطلاع درست
ی ہے یا نہیں؟ اس آیت کو بھی بالعموم غیر احکامی آیت سمجھا گیا ہے۔ حالانکہ اس سے شریعت
ایک خاص حکم ثابت ہوتا ہے جس کا ذکر قرآن مجید نے ایک دوسرے مقام پر بھی کیا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا
قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ۝ [۵]

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر ایک فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو
ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو نادانی سے نقصان پہنچاؤ اور پھر اپنے کئے پر شرمسار ہو۔

قرآن مجید کی ان دونوں آیات سے یہی حکم شرعی ملتا ہے کہ ہر اہم اطلاع یا خبر کے بارے
ں اسلامی نقطہ نظر یہی ہے کہ اس کی پہلے تحقیق کر لی جائے اور بعد میں صورتِ واقعہ کے مناسب
ل اقدام کیا جائے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ ہمارے لیے یہ رویہ درست نہیں کہ قرآن حکیم کی ان دونوں آیات
ں سے صرف ایک کو مدارِ حکم بنائیں اور دوسری آیت کو صرف قصص کی ایک آیت قرار دے
کر اس سے استنباطِ احکام کو ممنوع ٹھہرائیں۔

۵۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قَالَ هِیَ رَاوَدَتْنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَاۚ اِنْ كَانَ
قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۝
وَاِنْ كَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝
فَلَمَّا رَاٰ قَمِیْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَیْدِكُنَّؕ اِنَّ كَیْدَكُنَّ

---

۵ الحجرات ۶۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عَظِيْمٌ ۝ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۔ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْبِكِ ۚ إِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِيْنَ ۝ ؎۱

ترجمہ: یوسف نے کہا اس عورت نے خود مجھ سے میری آرزو کی تھی اور عورت کے کنبے والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ اگر ان کا کُرتا آگے سے پھٹا ہوا ہو تو یہ سچی اور وہ جھوٹے، اور اگر ان کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہوا ہو تو یہ جھوٹی اور وہ سچے۔ پھر جب عزیز نے ان کا کُرتا پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو اپنی عورت سے کہنے لگا "یہ تم ہی عورتوں کے چاتر ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ تمہارے لوگوں کے چلتر بڑے غضب کے ہوتے ہیں" اور یوسف سے کہا کہ اے یوسف اس معاملے کو جانے دو اور عورت سے کہا کہ تو اپنے گناہ کی معافی مانگ کیونکہ تو ہی خطا کار ہے۔

ان آیات سے اسلامی نظام عدل میں واقعاتی شہادت (Circumstantial Evidence) کے قابل اعتبار ہونے کی تائید ملتی ہے اور اس بات کا جواز نکلتا ہے کہ گواہوں کی عدم موجودگی میں ایک قاضی صرف واقعاتی شہادت کی بناء پر بھی فیصلہ دے سکتا ہے اور اس کا ایسا فیصلہ ایک مبنی برحق اور صحیح فیصلہ ہوگا۔ مزید برآں ثبوت جرم یا ثبوتِ بے گناہی کے لیے بھی واقعاتی شہادت ایک معتبر چیز ہے جسے ایک عدالت کو ہر صورت میں پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

قرآن حکیم کی یہ آیات بھی منجملہ غیر احکامی آیات سے ہیں جن سے ایک حکم شرعی کا استنباط بالبداہت ہوتا ہے۔

۶۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد ربانی ہے کہ،

؎۱ یوسف ۲۶ تا ۲۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ
فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ
نُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝[1]

ترجمہ: اور یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں تو وہ بولے کیا تو زمین میں ایسے شخص کو پیدا کرے گا جو اس میں فساد اور خونریزیاں کرے گا۔ اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلاشبہ جو میں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے ہو۔

یہ آیت بھی احکامی آیت نہیں سمجھی گئی مگر اس سے اسلامی اجتماعی زندگی کا ایک اہم اصول یہ نکلتا ہے کہ اگر کسی شخص سے اسلامی حکومت یا معاشرے کا کوئی فرد مشورہ طلب کرتا ہے تو اسے اپنے فہم و بصیرت کی حد تک ٹھیک ٹھیک مشورہ دے دینا چاہیے اس آیت سے ایک دوسرا پہلو یہ بھی نکلتا ہے کہ اپنے سامنے پیش آنے والا واقعات کے بارے میں اپنا صحیح صحیح نقطۂ نظر اور ردِّعمل ظاہر کر دینا چاہیے اور اس معاملے میں میں ہرگز کمزوری نہیں دکھانی چاہیے۔ صائب مشورہ دینے یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دونوں پہلوؤں سے اس آیت سے استنباط ممکن ہے۔ اسلام کے سیاسی نظام میں بھی اہل الرائے اور مجلس شوریٰ کے لیے یہ ایک اہم ہدایت ہے۔

۷۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ
قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ ؕ قَالَ

---

[1] البقرہ ۳۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِبْرٰهِيْمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ [له]

ترجمہ: کیا تم نے اس شخص کے حال پر نظر نہیں کی جو صرف اس برتے پر کہ خدا نے اسے بادشاہی دی تھی ابراہیمؑ سے ان کے رب کے بارے میں اُلجھ پڑا۔ جب ابراہیمؑ نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندگی اور موت دیتا ہے۔ وہ بولا کہ "میں بھی زندگی اور موت دیتا ہوں۔ ابراہیمؑ نے کہا کہ اللہ تو مشرق سے سورج کو نکالتا ہے بھلا تم مغرب سے نکال دکھاؤ۔ اس پر وہ کافر ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔

اس آیت کو بھی از قسم غیر احکامی آیات کے سمجھا گیا ہے مگر اس سے دعوت دین کا ایک اہم اصول نکلتا ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی شخص سے بحث و محاجہ کی صورت میں اپنی کسی دلیل پر اڑنا نہیں چاہیے خواہ وہ دلیل کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو۔ بلکہ اپنے مخاطب کے حسب حال اپنے حق میں کوئی دوسری ٹھوس دلیل پیش کر دینا چاہیے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا یہ داعیانہ طرزِ عمل ہمارے طریقِ دعوت کے لیے بھی ایک اہم اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگرچہ ہمارے ہاں کے فنِ مناظرہ میں غلطی سے اس اصول کو ایک مُناظِر کی کمزوری سمجھا جاتا ہے۔ مگر جیسا کہ مسلّم ہے ایک داعیٔ حق کا کام اپنے مخاطب کی اصلاح کے سوا کچھ نہیں۔ اس مقصد کے لیے جو دلیل بھی مخاطب کے دل میں اترنے والی ہو، وہی مفید اور بہتر ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک مریض کو اگر کسی مجرب دوا سے شفا نہ ہو رہی ہو تو ایک طبیب صحتِ مریض کی خاطر کوئی دوسری مناسب دوا استعمال کرا دیتا ہے تاکہ اس سے مریض

له البقرہ: ۲۵۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شفایاب ہو جائے۔ کوئی ماہر سے ماہر طبیب بھی اپنی کسی مجرب خاص اور اکسیر دوا کے استعمال پر اصرار نہیں کر سکتا بلکہ اسے مریض کی شفایابی سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے اس لیے وہ کسی دوسری مناسب دوا کے استعمال کرانے سے نہیں ہچکچاتا۔

ابراہیم علیہ السلام کے اس مباحثہ و محاجّہ سے ہمیں یہ ہدایت بھی ملتی ہے کہ ہم دعوتِ دین کے منکرین سے بحث کرتے وقت دلیل کی مضبوطی پر زیادہ اعتماد کرنے کی بجائے مخاطب کی اصلاح پر زیادہ توجہ دیں۔ اور دین کی دعوت کے لیے خود دین کی یہی تعلیم اور حکم ہے۔

مذکورہ بالا چند مثالیں 'مشتے نمونہ از خروارے' کے طور پر پیش کی گئی ہیں اور اسی سے معاملے کی اصل صورت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ع قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

یہ مثالیں اس امر کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں کہ آج بھی ہمیں زندگی کے بدلتے ہوئے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے قرآن حکیم کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور اپنے نِت نئے مسائل کے حل کے لیے اس کی صِرف احکامی آیات ہی کو مرکز و محور نہیں بنانا چاہیے بلکہ احکام شرعیہ اور مسائل فقہیہ کے استنباط کے لیے ہمیں "غیر احکامی آیات" سے بھی رہنمائی حاصل کرنی چاہیے نیز اس سلسلہ میں مروجہ کتب فقہ اور مجموعہ ہائے فتاویٰ پر قناعت کر کے بیٹھ نہیں جانا چاہیے بلکہ صدیوں کے اس جمود کو توڑ کر دین کے اصل مآخذ کی روشنی میں اجتہاد کی راہ اختیار کرنی چاہیے کہ اسلام کا منشا اور وقت کی پکار یہی ہے۔

© rasailojaraid.com